

عقل و جدانی کی نارسائی

پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ عقل و جدانی حقیقت کبریٰ تک رسائی حاصل کر سکتی ہے۔ اس لیے اس مسئلہ کا بہ نظر عمیق مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ یہ بات طے کرنا ضروری ہے کہ کیا عقل و جدانی بھی عقل استدلالی کی طرح خود مکتفی ہے۔ اور حقیقت رس ہے۔ اس سوال کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ مذاہب عالم کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس غلط فہمی نے بہت بڑا بگاڑ پیدا کیا ہے۔ اور یہ بگاڑ صدیوں پر پھیلا ہوا ہے۔

بلاشبہ یہ بات درست کہ حاسہ مذہبی انسان کی فطرت میں ودیعت کردہ ایک جذبہ ہے، اور یہ اس جذبہ کی اثر آفرینی ہے کہ انسان حق کا متلاشی ہوتا ہے۔ یہ بات حق ہے، لیکن حاسہ، جذبہ یا طلب کا موجود ہونا اور بات ہے، اور محض اس کے بل پر منزل مقصود اور منزلی مراد تک پہنچ جانا اور بات ہے۔ اس موقع پر عقل تجزیاتی سے استدلال کرنا بھی درست نہیں ہے۔ یہ گمان کرنا درست نہیں ہے کہ جس طرح "علم الاسماء" کی تخم ریزی سے عقل تجزیاتی اور عقل استدلالی نے اس قدر ترقی کر لی اور مادی دنیا کی تسخیر میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کر لی، اسی طرح "الکسٹ برویکھ" کی تخم ریزی سے عقل و جدانی بھی ترقی کرے اور حقیقت کبریٰ تک رسائی حاصل کرے اور عرفان حاصل کرے۔ بات یہ ہے کہ عقل استدلالی کے لیے روئیرازل ہی میدان مفتوح کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا - "زمین اور آسمان کی ساری چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے" (جاشیہ - ۱۳)۔ یہ آیت عقل استدلالی کی فتوحات

کے لیے منشورِ الہی کا حکم رکھتی ہے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ بالقوۃ تمام اشیاء کو انسانوں کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے۔ اب ان کو بالفعل تسخیر کرنا باقی ہے۔ یہ کام عقل انسانی مشیتِ ایزدی کے تحت ایک خاص ہیج اور تدریج کے ساتھ مسلسل کرتی رہتی ہے۔

مگر عقل وجدانی کے حق میں اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی منشور نہیں دیا ہے، بلکہ اس کے برعکس عقل وجدانی کی محدودیت کا کھلے الفاظ میں اعلان فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”روح عالمِ امر سے متعلق ہے اور اس کا علم تم کو بہت کم دیا گیا ہے۔“

(بنی اسرائیل - ۲۸۵)

اس آیت نے بات صاف کر دی ہے۔ عقلِ استقلالی ہو یا عقلِ وجدانی دونوں کی رسائی عالمِ روحانیت میں بہت کم ہے۔ کشف ہو یا اشراق، حقیقتِ کبریٰ تک اُن کی رسائی نہیں ہے۔ حقیقتِ کبریٰ لائقنا ہی ہے اور مطلق ہے۔ انسان مقید ہے، فانی ہے۔ اور اُس کی عقل تجرباتی ہے۔ مقید کیسے مطلق کو اپنے احاطہ علم میں لاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

”اس کے (اللہ کے) علم کو انسان اپنے احاطہ علم میں نہیں لاسکتا۔ مگر یہ کہ خود

اللہ تعالیٰ ہی اپنا فضل فرمادے۔“ (بقرہ - ۲۵۵)

نہ پہنچی دلوں تک خرد کی کند

بہت اونچی ہے ان کی بام بلند

جس قدر علمِ غیب کی ضرورت انسان کو اپنی دنیاوی زندگی بحسن و خوبی بسر کرنے کے لیے ہے، اس کو ایک دوسرے طریقے سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کر دیا ہے۔ وہ علمِ انبیاء کرام کے ذریعے وحیِ الہی کی صورت میں انسانوں کو دے دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ”وہ (اللہ)

غیب کا عالم ہے۔ وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا، مگر رسولوں میں سے جس کو وہ پسند کر لیتا“ (اس پر ظاہر کر دیتا ہے)۔“ (جن - ۲۶ - ۲۷)۔ دنیا میں نزولِ آدم کے وقت اللہ تعالیٰ نے

آدم کو بتا دیا تھا کہ بے شک انسانوں کو راہِ ہدایت دکھانا ہماری ذمہ داری ہے۔“ (یل - ۱۲)

دوسری جگہ زیادہ وضاحت سے فرمایا۔ ”میرے پاس سے جو کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے

(بذریعہ رسول) پھر جو لوگ اس ہدایت کی پیروی کریں گے، اُن کے لیے کسی قسم کے رنج اور خوف

کا موقع نہیں ہے۔ (بقرہ - ۳۸)۔ ان آیات مبارکہ نے کسی شک و التباس کے بغیر بات واضح کر دی ہے کہ عرفان حقیقت کا جس قدر علم دینی اور اخلاقی زندگی بسر کرنے کے لیے ضروری ہے، اس قدر علم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے مختلف زمانوں اور مختلف مکانات میں نوع انسانی کو مہیا فرما دیا ہے تاکہ کسی دور کے انسان کو گمراہی میں بھٹکنے کا عذر باقی نہ رہے۔ اس علم کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے ہوتا ہے "کہ انسان صرف روٹی سے زندہ نہیں رہتا، بلکہ اس کلمہ سے زندہ رہتا ہے جو خداوند کریم سے اس کو ملتا ہے"۔ اب انسانوں کی سعادت اس میں ہے کہ وہ نبیوں اور رسولوں کی لائی ہوئی تعلیمات کو مضبوطی سے متحکم لیں۔ اس پر کاربند رہیں۔ اس میں کمی بیشی نہ کریں۔ انسان کی عقل و جدانی کو انبیاء کرام کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی سرگرمی جاری رکھنا چاہیے اور کسی صورت میں اس سے بے نیازی اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

بعض حکما اور مذہبی پیشواؤں نے وحی الہی سے بے نیاز ہو کر عقل استدلالی یا عقل و جدانی کے بل پر روحانیت کا سفر اختیار کیا، ان سب نے ٹھوکر پی کھائیں۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسری مخلوق خدا کو بھی گمراہی کی راہوں میں دھکیل دیا۔ یہ بات عمرانیات کے ہر طالب پر واضح ہے کہ عقل استدلالی صدیوں تک اوہام و خرافات کی بھول بھلیوں میں بھٹکتی پھری ہے اور یہ کہ عقل و جدانی نے ہر شجر اور حجر کو الوہیت کے استھان پر بیٹھا کر صدیوں اس کی پرستش کی ہے۔ اس کے سامنے جبہ سائی کی ہے۔ شرک و بت پرستی کی وہ کون سی قسم ہے جو کسی نہ کسی انسانی معاشرہ نے اختیار نہ کی ہو اور اس طرح اشرف المخلوقات، خلیفۃ اللہ فی الارض حضرت انسان کی تخریق اور تذلیل نہ کی ہو۔

عرفان حقیقت کا صحیح صحیح ادراک کر لینا تو بہت بڑی بات ہے، انبیاء کرام کی بتائی ہوئی حقیقتوں کو صحیح طور پر سمجھ لینا، اور راہ ہدایت پر راست روی کے ساتھ چلنا بھی عقل انسانی کے لیے دشوار گزار مرحلہ رہا ہے۔ جب کہیں اور جہاں کہیں عقل انسانی کو آزاد روی کا موقع ملا ہے تو راہ مستقیم پر چلنے کے بجائے عموماً وہ گڈنڈیوں میں گھس جاتی ہے۔ راہ گذر میں چلتے چلتے وہ راہ حق سے دور بھٹک جاتی ہے۔ جب بھی عقل کا دست تصرف دراز ہوا، اس نے حکمت و

کئی دہائیوں کی جدت طرازیوں کی نیرنگی اور بوقلمونی کا وہ چمن آراستہ کیا کہ مردِ حقیقت شناس اس جعلی چمنستان کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ ان دست درازیوں نے انبیاء کرام کی تعلیمات کی صورت مسخ کر دی، حلیہ بگاڑ ڈالا، حتیٰ کہ محققین و راستخیزین کو خرافات کے اس مجموعے میں سے اصل حقیقت کا سراغ لگانا دشوار ہو گیا۔ مقصود کی وضاحت کے لیے ذیل میں چند مثالیں پیش کرنا بے محل نہیں ہوگا۔

ہندوستان کے مذہبی رہنماؤں (رشی منی) نے تعلیم دی منہی کہ عبادتِ الہی کے لیے ضروری ہے کہ دل خدا کی طرف متوجہ ہو۔ اور یک سو ہو۔ یہ بات صحیح ہے۔ اس پر ہندوستان کے حکماء نے مزید اضافہ کیا کہ بے چون و چگون خداوند تعالیٰ کا ذہن میں تصور کرنا کر لینا عوام الناس کے لیے سنت و شوار ہے، اس لیے کہ:

ع "خوگر پیکر محسوس ہے انسان کی نظر"

اب دل کو متوجہ کرنے کے لیے اور نگاہوں کو مرکوز کرنے کے لیے یہ تجویز مناسب ہے کہ ظاہری مادی پیکر کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ ممکنہ ہے کہ یہ اجازت دے دی جائے پھر کیا تھا، ہندوؤں نے شجر و حجر کی وہ پرستش کی کہ الامان والحفیظ۔ بدھ مت کے ابتدائی دور میں ہاتھ بڑھ کا دانت یا ہڈی یا بال لگا ہوں کا ہدف ہوتا تھا۔ اس پر توجہ مرکوز کی جاتی تھی۔ تاریخی اعتبار سے یونانیوں نے سکندر کے اخلاف نے بت تراشی کا فن ہندوستان میں رائج کیا۔ جب انہوں نے بدھ مت کو قبول کر لیا تو بدھ کی مجسمہ سازی کی۔ اور بڑے اعلیٰ پیمانے پر کی۔ ہندوستان اور سارے وسط ایشیا کو بدھ کے مجسموں سے بھر دیا۔ فارسی لفظ "بت" "بدھ" سے ماخوذ ہے۔

بت پرستی کی یہی وہ توجیہ ہے جو غزنوی دور میں ابو ریحان البیرونی نے بیان کی ہے، پھر اکبری دور میں علامہ ابوالفضل نے بیان کی ہے اور زمانہ حال کے ہندو فلسفی رادھا کرشنن نے بیان کی ہے۔ اگر یہ توجیہ درست ہے تو غور کیجیے کہ آغاز کیا تھا اور انجام کہاں پہنچا۔ عقل

لے حضور اکرم کی بھی حدیث ہے کہ حضورِ قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی، مگر اسلام نے اس حیار کو اعلیٰ مطلوب تو ضرور قرار دیا ہے، فرض قرار نہیں دیا۔

استدلالی نے کیا گل کھلائے ہیں۔

بدھ مت کے رہنماؤں نے تعلیم دی کہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرنا ضروری ہے۔ یہ بات حق ہے۔ بدھ مذہب کے حکماء نے ذکر کرنے کی عملی شکل یہ اختیار کی کہ تنودانوں کی ایک مالا تیار کی۔ تسبیح کی ایجاد بدھوں کے ہاتھوں ہندوستان میں عمل میں آئی ہے۔ دوسرے مذاہب والوں نے تسبیح بدھوں سے اخذ کی ہے۔ فتح ایران و افغانستان اور سندھ کے بعد تیسری صدی ہجری میں تسبیح کا رواج عالم اسلام میں ہوا ہے۔ صلیبی جنگوں میں مسیحی راہنماؤں نے مسلمانوں سے تسبیح کا طریقہ اختیار کر کے سارے یورپ میں پھیلا دیا۔ بدھ حکماء نے ذکر کرنے کے طریقے میں پھر مزید جدت اور اختراع سے کام لیا۔ انہوں نے ایک پہیہ یا چرخ بنائی جس پر تنود چھوٹے چھوٹے تختے لگا دیے اور ہر تختے پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھ دیا۔ جب پہیہ ایک چکر گھوم جاتا تو گویا تنودانوں کی تسبیح پوری پڑھ لی جاتی۔ اور ذکر کا وظیفہ پورا ہو جاتا۔ پھر مزید اختصار سے کام لیا گیا اور اس کے لیے چھوٹی چھوٹی چرخیاں بنائی گئیں۔ اشتر کی انقلاب سے قبل تبت میں مذہبی لوگوں کے ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی چرخیاں ہوتی تھیں۔ جن کو وہ ہر وقت گھماتے رہتے تھے، بات چیت بھی کرتے رہتے تھے اور ذکر اللہ بھی جاری رہتا تھا۔ اب ذرا سوچیے، دل کی توجہ سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم کہاں اور مشینی انداز میں چرخ بنائے کہاں۔ عقل استدلالی نے بات کہاں سے کہاں پہنچا دی۔

مذکورہ بالا مثالیں عبادات کے باب میں عقل استدلالی کی دخل اندازیوں کی تھیں۔ عقائد کے باب میں گمراہی کی واضح مثال کُردوں کا یزیدی فرقہ ہے۔ عراق اور ایران میں جب آلِ بُویہ کو اقتدار حاصل ہو گیا تو پھر ان علاقوں میں شیعیت کو فروغ حاصل ہو گیا۔ شیعوں کے نزدیک یزید بن معاویہ مبغوض ترین اور کافر ترین فرد تھا۔ اس غلو اور تشدد کے خلاف عدی بن مسافر نے وعظ و تبلیغ کی۔ انہوں نے غلو سے روکا اور راہ اعتدال اختیار کرنے کی تلقین کی۔ وہ شیخ عبدالقادر جیلانی

نے ذکر کا حکم قرآن میں بھی دیا گیا ہے۔ "یہ اللہ کا ذکر ہے جس سے دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے۔"

رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ عالم باعمل اور متقی انسان تھے۔ (منہاج السنہ - امام ابن تیمیہ) بعد میں آنے والوں نے اس پر اٹھانے کیے۔ پہلے اعتدال پسندی کو پسندیدگی میں تبدیل کر دیا۔ پھر پسندیدگی نے مجہوبیت اور مطلوبیت کا رنگ اختیار کر لیا۔ اور آج گروہوں کا یزیدی فرقہ یزیدی کی پرستش کرتا ہے۔ عقل استدلالی کو دراندازی کا موقع ملا تو اس نے یہ کرشمہ ساتریاں دکھائیں۔ مسخ اور انحراف کی ایسی کتنی صورتیں ہیں جو ہمارے معاشرے میں رائج ہیں، جنہوں نے تقدس کا چولہا پہن رکھا ہے۔ حالانکہ وہ سب گمراہی کی مختلف صورتیں ہیں جو دینِ مبین کے اندر بدعتوں نے داخل کر دی ہیں۔

عرفانِ حقیقت کی راہ میں عقل و جدائی کی گمراہیاں بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ ادعا خواہ کچھ بھی ہو، حقیقت یہ ہے کہ حقیقت کبریٰ کے انکشاف اور ادراک کے لیے کشف و اشراق بھی کوئی مستند ذریعہ نہیں ہے۔ کشف و اشراق کی غلط بینی اور غلط کاری سے تصوف کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ اس راہ سے بہت سی گمراہیوں نے جنم پا پائے جو آج ہمارے معاشرے میں جڑ پکڑ چکی ہیں۔ توضیح مقاصد کے لیے یہاں دو ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

ایک بہت بڑے صوفی شیخ اکبر نے فتوحاتِ مکبہ میں اپنے مکاشفات درج کیے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ حالت کشف میں انہوں نے عقولِ عشرہ (TEN CATEGORIES OF LOGIC) سے ملاقات کی ہے۔ واضح رہے کہ عقولِ عشرہ منطق کی اصطلاح ہے جو اہل یونان کی اختراع کردہ ہے۔ کم، کیف، متی، این وغیرہ منطقیوں کی اصطلاح میں عقولِ عشرہ کہلاتی ہے، جن سے مفہوم اور منطوق کا تعین کیا جاتا ہے۔ نہ یہ کوئی ذی روح ہستی ہے، نہ ان کا مرتی وجود ہے، جن سے ملاقات ہو سکے۔

قدیم بائبل اور یہودی روایات میں زہرہ ایک عورت تھی جو آسمان پر چلی گئی اور وہاں زہرہ ستارہ بن گئی۔ ایک کشف میں شیخ اکبر نے زہرہ سے ملاقات کی ہے بلکہ مقاربت کی ہے۔ حالانکہ آج یہ بات سب کو معلوم ہے کہ زہرہ بھی ایک ایسا ہی سیارہ ہے جیسا کہ زمین ہے یا جیسا کہ مریخ ہے۔ وہ کوئی عورت نہیں ہے۔ ان مکاشفاتِ ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ کشف و اشراق میں بھی ماحول کی روایات عکس ریز ہوتی ہیں۔ مکاشفہ میں انسان اپنے فکری ماحول

اور مبلغِ علم کے: الزمہ ہی میں پروا ذکر تا ہے۔ بہر حال کشف و اشراقِ عرفانِ حقیقت کا کوئی مستند ذریعہ علم نہیں ہے۔

یہی باعث ہے کہ پاک و ہندوستان کے جلیل القدر شیخِ طریقت حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ”برکشف کفش باید زد“ (مکتوبات)۔ یعنی کشف پر جو تانا مارنا چاہیے۔ اس کو رد کر دینا چاہیے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی کشف کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔ (مَرَجِ البحرین)۔ حقیقت یہ ہے کہ عرفانِ حقیقت اور تقربِ الہی کا سفر صرف وحیِ الہی کی رہنمائی میں اور صرف انبیاءِ کرام کی رہبری میں طے ہو سکتا ہے۔ دوسرا ہر طریقہ مگر ہی پر منتج ہوتا ہے۔

غلافِ پیمبر کسے را گزید

کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

ورنہ جہاں کہیں موقع ملتا ہے آرزو و عقلِ استدلالی کے نام سے تخیلِ آرائی کی بزمِ آراستہ کر لیتی ہے۔ ع

ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں جا لیتی ہے تصویریں

ان مگر ایسوں کی تاریخ سامنے ہو تو شارعِ اسلام کا یہ فیصلہ آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے کہ عقائد کے لیے اور عبادات کے لیے نص صریح (صاف حکم) از قرآن و سنت درکار ہے۔ استنباط، استدلال اور قیاس کے عقائد اور عبادات کے باب میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں تو صرف ایک ہی اصل اصول ہے کہ جو کچھ شارعِ علیہ السلام سے منقول ہے بس وہ حق ہے۔ اپنی طرف سے کمی بیشی یا اضافہ کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ انسان کی عملی زندگی میں تغیر و تبدل واقع ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے دماغِ قیاس اور استنباط کی ضرورت ہے۔ عقائد اور عبادات کے طریقے دائمی ہیں۔ دماغِ تغیر راہ نہیں پاسکتا۔ دماغِ قیاس آرائی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔